© rasailojaraid.com

ملّی نظام پارٹی

(منظر و پس منظر)

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی

بیسویں صدی کے تیسرے چوتھے عشرے تک مغربی و مشرقی مفکرین، قلمکاروں اور محققین کے یہاں ترکی میں لادینیت و مغربیت کا شجر خبیث سرسبز و شاداب اور توانا و مستحکم ہو چکا تھا جسے ماہرین عمرانیات کے تجزیوں کے مطابق مذہب پسندی کا کوئی جھونکا نقصان نہ پہونچا سکتا تھا لیکن چند ہی سالوں کے بعد وہ اسلام کے شجرہ طیبہ کو برگ و بار لاتا دیکھنے لگے[۱] اور ترکی قوم کی اپنی قدیم میراث و تہذیب کی طرف واپسی کو وہ ملک کے امن و امان اور یوروپی اقوام کے مفادات کے لیے چیلنج تصور کرنے لگے اور اپنے تحقیقاتی اداروں، عمرانیاتی اکیڈمیوں اور ماہرین و متخصصین کو اس احیاء کے اسباب و محرکات کا پتہ لگانے کے لیے وقف کر دیا تاکہ ان کا بر وقت تدارک کیا جا سکے اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے بڑھتے ہوئے رجحان پر بند لگائی جا سکے۔

مصطفیٰ کمال اتاترک (۱۸۸۱ء — ۱۹۳۴ء) ضیاء گوک الپ (۱۸۷۵ — ۱۹۲۴ء) نامق کمال[۲] (۱۸۴۰ء — ۱۸۸۸ء) اور دوسرے اُن ترکی دانش وروں کے افکار و اثرات کا ترکی قوم نے گہرا اثر قبول کیا جو ترک قومیت اور لادینی ثقافت کے مدعی و علم بردار تھے اور جنھوں نے پوری قوم کو اس کے تابناک ماضی اور عظیم ورثہ سے کاٹ کر یوروپی فکر و تاریخ میں ضم ہو جانے کی دعوت دی یا کم از کم سیکولر قومیت اور ملّی وجود کا ملغوبہ تیار کر کے اسلام کے آفاقی تصور سے اسے منحرف رکھا اور اُن افراد اور اداروں کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی جو اسلام کے احیاء اور ملت کی نشاۃ ثانیہ کی آرزو رکھتے تھے[۳] لیکن ترکی میں لادینیت کاری (Secularization,) اور مغربی اثرات و افکار کی توسیع و تنفیذ کا تجزیہ کرنے کے لیے روایتی عثمانی بیورو کریسی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخ اور اٹھارویں صدی کی تنظیمات کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہوگا کیونکہ اس کے بغیر روایت پسندی اور تجدّد کی کشمکش کو سمجھنا آسان نہ ہوگا۔

تنظیمات کا کردار

سلطنت عثمانیہ کی بنیاد دین و دولت اور مذہب و سیاست کی یکجائی پر رکھی گئی تھی اور مذہبی و دنیوی تمام اختیارات خلیفہ کی ذات میں مرتکز ہوتے تھے۔ اسلام کا یہ تصور بھی جاگزیں تھا کہ اسلام کی حفاظت اور شریعت مطہرہ کی تنفیذ کے لیے ریاست ناگزیر ہے[۱۳] مگر مذہب و شریعت پر ریاست کی عملی بالادستی اس وقت بتدریج نمایاں ہوتی گئی جب قوانین میں اصلاح و تبدیلی کے لیے تنظیمات کی تحریک چلائی گئی[۱۴]۔ تنظیمات[۱۵] دراصل ان اصلاحات کو کہتے ہیں جو مملکت عثمانیہ کی حکومت اور ادارے کے سلسلہ میں سلطان عبدالمجید[۱۶] (۱۸۲۳ء — ۱۸۶۱ء) کے عہد حکومت میں جاری ہوئیں اور جن کی ابتدا اس فرمان سے ہوئی جسے عام طور پر گلخانہ کا خط شریف کہا جاتا ہے۔ تنظیمات خیریہ کی ترکیب پہلے پہل سلطان محمود ثانی[۱۷] (۱۷۸۴ء — ۱۸۳۹ء) کے دورِ حکومت کے آخری سالوں میں ملتی ہے۔ دورِ تنظیمات کا خاتمہ تقریباً ۱۸۸۰ء میں سمجھا جاتا ہے جب سلطان عبدالحمید ثانی[۱۸] (۱۸۴۲ء — ۱۹۱۸ء) کی حکومت کا زمانہ شروع ہوا[۱۹]۔

فرمان خطِ شریف میں اس بات کا اعلان تھا کہ ساری رعایا کی آبرو اور مال محفوظ رہے گا۔ التزام یعنی ٹیکسوں کو اجارہ پر دینے کا قاعدہ موقوف ہو جائے گا۔ فوج میں بھرتی کا کام زیادہ باقاعدگی سے ہوا کرے گا، جملہ ملزموں کے مقدمات کھلی عدالتوں میں پیش ہوں گے، اہلِ اسلام اور دوسرے تمام مذاہب کے پیرو قانون کی نظروں میں برابر سمجھے جائیں گے۔ اس فرمان میں اس بات کی وضاحت بھی کی گئی تھی کہ جدید قوانین کا مقصد 'اصول عتیقہ' میں مکمل تبدیلی کرنا ہے۔ اس خط کا مسودہ تیار کرتے وقت مصطفیٰ رشید پاشا کا مقصد ملکی حکومت پر دوبارہ اعتماد قائم کرنا اور دُول یورپ کو کسی نہ کسی طرح مطمئن کرنا تھا کیونکہ داخلی امور میں ان کی دراندازی تشویشناک صورت اختیار کرتی چلی جا رہی تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خطِ ہمایوں (فروری ۱۸۵۶ء) فرمان کو غیر مسلم رعایا کے حقوق کی مساوات کے متعلق ۱۸۳۹ء کے وعدوں کی مفصّل اور مکمل توثیق قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس فرمان کی خاص بات یہ تھی کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی مقدمات کے تصفیوں کے لیے مخلوط عدالتیں قائم کرنے اور ان سے متعلق جملہ قوانین کو جلد از جلد منضبط کرنے کا اعلان کیا گیا تھا اور غیر ملکی طاقتوں کو یہ حق بھی دیا گیا تھا کہ وہ سلطنت عثمانی کی حدود میں اراضی کی ملکیت حاصل کر سکتی ہیں۔ تاہم یورپین طاقتوں کی دخل اندازی کا سلسلہ ۱۸۵۶ء کے بعد بھی ختم نہ ہوا اور وہ ترکی کے خلاف سازشوں میں مصروف رہیں۔

۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء کو دولت عثمانیہ کے نئے دستور کا اعلان ہوا لیکن اس اصلاحی اقدام سے بھی کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور آئین ساز شخص مدحت پاشا کو دو ہی مہینے بعد جلاوطن کر دیا گیا اور اس کے بعد ہی سلطان عبدالحمید نے اس آئین کو نظر انداز کر دیا تاہم اس دور میں اصلاحات کو مکمل طور سے معطل نہ کیا گیا۔ ۱۸۷۹ء کے قوانین سے جو خاص کر دیوانی محکمے کے متعلق تھے تنظیمات کی قانون سازی ایک لحاظ سے تکمیل پا گئی۔ [۱۱]

ان قوانین و اصلاحات میں غیر ملکی عناصر و افکار کی آمیزش بلکہ ان کی بالادستی نمایاں تھی۔ ۱۸۳۹ء کے بعد صوبوں کے نظم و نسق کا جو نیا طریقہ رشید پاشا نے متعارف کرایا تھا وہ فرانسیسی طرز کا تھا اسی طرح ۱۸۶۴ء اور ۱۸۷۱ء کے قانون ولایات پر بھی یہی اثر برقرار رہا۔ ۱۸۵۰ء کا ضابطۂ تجارت زیادہ تر فرانسیسی قانون پر مبنی تھا یہی حال ۱۸۵۸ء کے ضابطۂ تعزیرات، ۱۸۶۳ء کے ضابطۂ قانون تجارت بحریہ اور ۱۸۶۱ء کے آئین دادرسی تجاری (Code of Commercial Procedure.) کا تھا۔ البتہ ۱۸۶۹ء کے مجلّہ یعنی ضابطۂ دیوانی میں کوشش کی گئی تھی کہ قانون ملکیت اور قانون ضمانات وغیرہ کو حنفی مذہب کے مطابق جمع کر لیا جائے۔ غیر مسلم طبقات اور جماعتوں کے لیے جو بنیادی قواعد ۱۸۶۲ء میں شائع ہوئے ان کا رجحان اس طرح تھا کہ اداری امور میں کلیسائی عنصر کے اقتدار کو کم کر کے غیر کلیسائی عنصر کو زیادہ اختیار دیا جائے ان جماعتوں نے عام طور پر قضائی معاملات میں اپنی خود مختاری قائم رکھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۴۵ء میں تعلیمی نظام کی اصلاح کی غرض سے ایک مجلس معارف مقرر ہوئی پہلے اس کے صدر فواد پاشا تھے اور بعد میں جودت پاشا۔ چنانچہ مذہبی تعلیم کی روایات سے تصادم ناگزیر تھا۔ ایک یونیورسٹی اسی سال قائم ہوئی مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور ثانوی اور ابتدائی مدارس کے قیام میں بڑی مشکلات پیش آئیں ۱۸۶۸ء میں غلطہ سرائے کے ثانوی مدرسہ کا افتتاح ہوا جس میں تعلیم فرانسیسی زبان میں دی جاتی تھی اس کا مطلب یہ سمجھا گیا کہ غیر ملکی ثقافت کو ترکی میں داخل کیا جا رہا ہے چنانچہ اس کی بڑی سختی سے مخالفت ہوئی[۱۲]

تحریک تنظیمات کی مخالفت علماء کی جانب سے اس لیے ہوئی کہ وہ شرعی امور میں اپنے اختیارات اور حق ادارہ سے محروم کر دیئے گئے تھے اور اس تحریک کے ذریعہ اسلامی قوانین کی بہت سی دفعات پر ضرب لگائی گئی تھی۔ غیر مسلم طبقات نے ان اقدامات کے خلاف بے چینی کا اظہار اس لیے کیا کہ حقوق مساوات کے حصول میں انھیں نفع ہی نفع نظر نہیں آتا تھا ان مراعات کی وجہ سے ان کی باہمی چپقلش اور اختلافات مزید وسیع ہو گئے چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ تنظیمات کی راہ میں حائل مشکلات زیادہ تر غیر مسلم رعایا ہی کی الجھنوں کی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی تھیں[۱۳] اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ دُول یورپ ہمیشہ دخل اندازی پر اتر آئی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ خود ترکی میں ایک بڑا طبقہ ایسا پیدا ہو گیا تھا جو اِن تنظیمات کو دولت ترکیہ کے مفاد کے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔

مجلس معارف کے صدر احمد جودت پاشا (۱۸۲۲ء — ۱۸۹۵ء) بھی گرچہ اصلاحات آئینی اور ترقیاتِ علمی و ادبی کے حق میں تھے اور ترکی کو جامد و منجمد ماحول سے نکال کر ترقی یافتہ اقوام کے دوش بدوش کھڑا کرنا چاہتے تھے مگر فرانسیسی قوانین و ضوابط کی جگہ اسلامی شریعت کی تنفیذ پر ان کا اصرار تھا وہ ایسے سماجی و سیاسی اداروں اور تنظیمات کے مخالف تھے جن میں اسلام کو کلیدی مقام حاصل نہ ہو۔ ان کے خیال میں ترکی کے زوال و انحطاط کا واحد حل یہ تھا کہ صنعتی و تکنیکی میدانوں میں اور فوجی و عسکری پہلوؤں سے جدّت کاری (Modernisation,) ہو لیکن ترک معاشرہ کی قومی تعمیر میں اسلام کا مرکزی کردار ہو۔[۱۴] جودت پاشا[۱۵] نے وزیر عدلیہ کی حیثیت سے اپنے پہلے دور وزارت ہی میں ایک طرف تو قضاۃ کی تعلیم و ہدایت اور عدالتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاروبار کی اصلاح کے لیے قانونی اور شرعی نصاب مقرر کیے اور دوسری جانب اس بات کی بھی طرح ڈالی کہ ایک انجمن بنا کر اس کے زیر نگرانی حنفی فقہ کی بنیاد پر ایک مجلّہ یعنی مجموعہ قانون تیار کیا جائے۔ اس قسم کے مجلّے یا ضابطے (یعنی ایسا ضابطہ جو اسلامی اصول وعقائد پر مبنی ہو) کی منظوری حاصل کرنے کے لیے جودت پاشا کو جواد پاشا اور شروانی زادہ رشدی پاشا کی تائید وحمایت حاصل تھی لیکن علی پاشا اس تجویز کا مخالف تھا اور اس کے بجائے فرانسیسی ضابطۂ دیوانی (Civil Code,) اختیار کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔

جودت پاشا کے طرز عمل اور تصانیف دونوں میں ترقی پسندی اور مذہب پسندی کا ایک خوش گوار امتزاج ملتا ہے ایک طرف اس نے بڑے استقلال کے ساتھ ترکی معاشرے میں زیادہ سے زیادہ روشن خیالی اور بیداری پیدا کرنے کی حمایت کی اور حکمراں طبقے میں جہالت، تعصب اور خود پرستی کے اظہار کی اور عوام میں رائج غلط اعتقادات کی سخت مذمت کی ہے تو دوسری طرف اس کے خیالات پر مذہبی اثرات غالب ہیں اور عمر کے آخری حصّہ میں تنظیمات کے متعلق اس کے خیالات میں تبدیلی نظر آتی ہے بلکہ سلطان عبدالحمید ثانی کے دور کے عام رجحانات سے ہم آہنگ ہو کر وہ رجعت پسندانہ رویّہ اختیار کر لیتا ہے۔[۱۵]

سلطان عبدالحمید ثانی پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے جدید ترقیات کی مخالفت کی اور ترکی کو پسماندہ، مفلوک الحال اور قدامت پرست بنائے رکھنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی حالانکہ یہ سراسر بہتان تراشی اور سلطان کے کردار کو داغدار کرنے کی ناپاک یہودی سازش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مغربی اقوام کی تہذیب وثقافت کو مستعار لینے کے خلاف تھے کیونکہ ان کے عقیدہ وایمان کے مطابق مشرق کی اسلامی تہذیب مکمل اور ہر پہلو سے مغربی تہذیب سے برتر اور ممتاز تھی ہاں مغرب کے پاس جدید علوم تھے جنھیں یک بہ یک اختیار کرنے کے حق میں وہ نہیں تھے بلکہ وہ اس معاملہ میں تدریج کے قائل تھے۔ وہ کہتے تھے :

"یہ کہنا درست نہیں ہے کہ میں یوروپ کی ہر نئی چیز کا مخالف ہوں البتہ جلد بازی شیطان کی روش ہے اور اس کے مقابلے میں اطمینان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اعتدال میرا مسلک ہے۔ہمیں اپنی نگاہوں کے سامنے اس عظیم نعمت کو ضرور رکھنا چاہیے جس سے اللہ نے ہم کو سرفراز کیا ہے۔ اسلام ترقی کا مخالف نہیں ہے البتہ قابل قدر اور قیمتی چیزوں کو طبعی اور فطری انداز میں نافذ ہونا چاہیے۔ان کی آمد اندرون سے اور حسب ضرورت ہو۔ان معاملات میں کامیابی حاصل نہیں ہوگی اگر انھیں خارج سے تھوپنے کی کوشش کی جائے گی"[۱۸]

J. DENY نے اپنے مقالہ (مطبوعہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ) میں اس الزام کی تردید کی ہے کہ سلطان عبدالحمید روشن خیال نہ تھا۔ثبوت میں اس نے ان تعلیمی اداروں کو پیش کیا ہے جو سلطان کے دور میں قائم ہوئے۔مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ سلطان کے دور میں تعلیمی ترقی کی رفتار کافی تیز تھی چنانچہ اس کی تخت نشینی کے وقت مدارس رشدیہ کی تعداد ۹۶ تھی جو ۱۸۹۲ء میں بڑھ کر ۵۰۴ ہوگئی۔ اس کے دور میں دو ہزار سے زائد نئے مدارس قائم ہوئے۔مصارف تعلیم تین لاکھ پونڈ سالانہ سے بڑھ کر آٹھ لاکھ پونڈ سالانہ ہوگئے (۱۹) محمد حرب عبدالحمید کے مطابق سلطان نے تمام میدانوں میں مغربی علوم وفنون سے استفادہ کے لیے کالج، اسکول، تربیتی مراکز اور تحقیقی ادارے قائم کیے، سائنس کالج، آرٹس والا کالج، مکتب حقوق، پولیٹیکل سائنس کالج، مکتب ملکیہ، فائن آرٹس اکیڈمی، مکتب صنعت خودکفالت، کامرس ایگریکلچر، میڈیسن، حیوانیات، طبعیات، کیمیا، بحری تجارت وغیرہ کے کالجز، اساتذہ کی ٹریننگ کے لیے کالجز اور معاہد، یتیموں، اندھوں، گونگوں اور بہروں کے لیے، اسکول، ثانوی مدارس غرضیکہ ہر علم وفن اور ہر تکنیک کے اسکول اور کالج سلطان نے قائم کیے۔ دمشق، بغداد، بیروت، سلانیک اور قونیہ وغیرہ میں ان اداروں کا جال بچھ گیا جن میں ترکی اور فرانسیسی زبانوں میں تعلیم دی جاتی تھی۔ اسی طرح مغربی علوم و تجربات سے استفادہ کے لیے سلطان نے فرانس اور جرمنی جیسے ملکوں میں تعلیمی اور ثقافتی وفود روانہ کیے[۲۰]

سلطان عبدالحمید ثانی کی اس روشن خیالی اور ان کی تعلیمی وسائنسی خدمات کے باوجود نوجوان ترکوں نے انھیں عتاب کا نشانہ بنایا اور لادین عناصر کا زور بڑھتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلا گیا اور مذہب پسند طبقات سیاسی سطح پر کمزور ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ مصطفیٰ کمال اتاترک اور اس کے ساتھیوں کے ذریعہ خلافت عثمانی کا خاتمہ ہوگیا اس لیے کہ اکثر عثمانی سلاطین نے مذہب اور خلافت کو اپنے مخصوص مصالح اور ذاتی مفاد کے لیے استعمال کیا اور ملک کی پسماندگی، فوجی انحطاط، مسلسل شکستوں اور ذلت انگیز ناکامیوں کا سبب بھی بنے پھر بعض سلاطین، ان کے وزرا اور ارکان سلطنت نے دشمن سے سازباز اور قوم فروشی سے بھی احتراز نہ کیا دوسری طرف علماء کی اکثریت جدید تقاضوں اور معاصر تبدیلیوں سے ناواقف تھی اور یوروپ کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اس کے خطرات و نتائج سے بے خبر تھی چنانچہ نوجوان ترک شعلہ جوالہ بن کر پھٹ پڑے اور انھوں نے مغربی تہذیب و تمدن اور مادی اقدار و افکار کے سامنے مکمل طور سے سرافگندہ ہو کر دین و مذہب کا قلادہ اپنی گردن سے اتار پھینکا۔[۲۱]

اتاترک کی تجدد پسندی

مصطفیٰ کمال اتاترک کا ذہنی و فکری نشو و نما اور مزاجی و طبعی ارتقاء جس ماحول میں ہوا اس کی بہترین عکاسی اس کے ترک سوانح نگار عرفان اورگا نے کی ہے اس کے مطابق وہ کالج کی زندگی ہی سے مشتعل مزاج اور جنس پرست تھا، شراب نوشی سے تسکین حاصل کرتا اور خدا اور حیات بعد الموت پر اعتقاد کا مذاق اڑاتا تھا۔ اسے دوسروں کو اپنی مرضی کے آگے جھکانے میں مزہ آتا تھا، اور وہ کسی کو اپنا ہمسر نہ سمجھتا تھا، مناسٹر میں اس کا تعارف والٹیر اور روسو کی تحریروں سے ہوا جنھوں نے اس کے خفتہ باغیانہ جذبات کو بیدار کر دیا۔[۲۲] جوانی میں ضیار گوک الپ کی تعلیمات کو اس نے جذب کیا جو مذہبی آزادی اور مغربی نقالی کا نقیب اور علمبردار تھا۔[۲۳] چنانچہ اس کی اصلی جنگ مذہب کے خلاف تھی، بچپن سے اس کے نزدیک خدا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ محض ایک پُر اسرار اور مغالطہ آمیز نام تھا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ زمانہ ماضی میں اسلام محض ایک تخریبی طاقت رہا ہے اور اس نے ترکی کو بہت نقصان پہنچایا ہے اور یہ کہ اسلام کی بدولت لوگ جمود و اوہام کی دلدل میں پھنسے رہے ہیں۔ اس کا شروع ہی سے مصمم ارادہ تھا کہ مذہب کو ممنوع قرار دے دے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہ اس کے لیے طاقت استعمال کرنی پڑے، خواہ دھوکہ اور فریب سے کام لینا پڑے۔[۲۴]
ایک دوسرے مقام پر عرفان اورگا نے لکھا ہے کہ مصطفیٰ کمال کے نزدیک نفسیاتی اصول و نظریات اور فلسفیانہ اصطلاحات بے معنیٰ تھے اسی لیے قدرتی طور پر ترکی قوم کے لیے مذہب کو غیر ضروری اور بے سود قرار دینے میں اسے کوئی تامل نہ تھا لیکن مذہب کی جگہ اس نے ترکی قوم کو ایک نیا دیوتا دیا یعنی مغربی تہذیب تو یہ باعث تعجب نہ تھا کیونکہ قوم نے اپنی روح کے لیے جنگ کی تھی۔ دوسری قوموں کی گذشتہ تاریخ سے اس نے یہ سبق حاصل کیا تھا کہ پرانے دیوتا ذرا مشکل ہی سے مرتے ہیں اس لیے خدا کا خیال ترکی قوم کے دل سے دیر ہی میں نکلے گا۔[۲۵]

یہی سوانح نگار مذہب سے مصطفیٰ کمال کی نفرت کا تذکرہ کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتا ہے کہ یہ کوئی رازکی بات نہ تھی کہ وہ ایک غیر مذہبی آدمی تھا اس بنا پر یہ افواہ گرم تھی کہ خلافت کی منسوخی جلد عمل میں آنے والی ہے۔ اس بات سے اور سنسنی پھیل گئی کہ مصطفیٰ کمال نے شیخ الاسلام کے سر پر جو اسلام کے بڑے عالم اور قابل احترام بزرگ تھے قرآن مجید پھینک کر مارا، اس کا نتیجہ مصطفیٰ کمال کی فوری موت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہ واقعہ پیش نہیں آیا اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ زمانہ بہت بدل گیا ہے۔[۲۶] مغربی تہذیب سے مصطفیٰ کمال کی عقیدت و شیفتگی کا ذکر کرتے ہوئے عرفان اورگا کہتا ہے کہ بڑی حد تک وہ جس چیز کی تلقین کرتا تھا اور جس پر وہ خود عامل بھی تھا، وہ نئے خدا (تہذیب جدید) کی پرستش اور اس کی پرجوش وفاداری تھی۔ اس نے اس لفظ "تہذیب" کو ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلا دیا، جب وہ اس تہذیب کے متعلق گفتگو کرتا تو اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو جاتی تھی اور اس کے چہرے پر ایسی کیفیت نمودار ہوتی تھی جو کسی صوفی کے مراقبۂ جنت کے وقت اس کے چہرے پر نظر آتی ہے۔[۲۷]

بہر حال مصطفیٰ کمال اتاترک نے ترکی قوم پر فتح حاصل کی اور اسے مذہب و روحانیت سے دور کر کے ملک کو سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کر کے چھوڑا۔ ادارۂ خلافت کا خاتمہ کر دیا گیا، شرعی اداروں، محکموں اور قوانین شریعت کو منسوخ کر کے سوئزرلینڈ کا قانونِ دیوانی، اٹلی کا قانونِ فوجداری اور جرمنی کا قانون بین الاقوامی تجارت نافذ کیا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرسنل لا، کو یوروپ کے قانونِ دیوانی کے مطابق کر دیا گیا۔ دینی تعلیم ممنوع قرار پائی۔ پردہ کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ عربی حروف کی جگہ لاطینی حروف جاری ہوئے عربی میں اذان ممنوع قرار پائی۔ قوم کا لباس تبدیل ہو گیا ہیٹ کا استعمال لازمی قرار پایا غرضیکہ ایک انگریز مورخ آرمسٹرانگ کے بقول اتاترک نے ترکی قوم اور حکومت کی دینی اساس کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیا اور قوم کا نقطۂ نظر ہی بدل دیا۔[28]

عرفان اورگا نے لا مذہبی ریاست کے فیصلوں اور اقدامات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ پارلیامنٹ نے جو فیصلے کیے ہیں حقیقت میں وہ اسلام کے حق میں ضرب کاری اور پیامِ موت کی حیثیت رکھتے تھے۔ تعلیم کی وحدت کا قانون نظامِ تعلیم میں دور رس تبدیلیوں کا سبب بنا۔ تمام تعلیمی نظم و نسق جو اس جمہوریہ کی حدود میں پایا جاتا تھا۔ وزارتِ تعلیم کے قبضہ میں آگیا اس تبدیلی نے مدارس کی سرگرمیوں اور ان میں تعلیم دینے والے اساتذہ و علماء کی آزادی کو ختم کر دیا۔ دوسرا قدم امورِ مذہبی کا قیام تھا جو ایک ڈائریکٹوریٹ کے ماتحت تھا جو شریعت اور اوقاف کی قدیم وزارت کی قائم مقامی کرتا تھا۔ اس وزارت کا کام مذہبی و خیراتی مقاصد کی تکمیل اور مساجد اور یتیم خانوں کی نگہداشت تھا لیکن اس کے نظام اور لائحہ عمل کا بڑا غلط اور شرمناک استعمال ہوتا تھا۔[29]

۱۹۲۴ء میں قوانین دیوانی و فوجداری کی لادینیت کاری کے بعد نوجوان ترکوں کا اگلا نشانہ عوام میں مروّج نظامِ طریقت تھا جسے وہ تجدد پسندی اور مغربیت کی ترویج کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں دو نقش بندی رہنماؤں شیخ سائت اور شیخ عبداللہ کی قیادت میں بغاوت رونما ہو چکی تھی اور سیکولر نوجوان تصوف و طریقت کے ان سلسلوں کو ملک کے لیے خطرناک سمجھتے تھے چنانچہ تمام خانقاہیں اور صوفی سلسلے ختم کر دئے گئے۔[30]

مابعد اتاترک کے حالات

اتاترک کی وفات کے بعد ۱۱ نومبر ۱۹۳۸ء کو عصمت انونو (Ismet Anonu.) نے قصرِ صدارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ وہ ۲۲ مئی ۱۹۵۰ء تک سیکولر جمہوریہ کے صدر رہے ان کے بعد سیلال بایر (Celal Bayar.) نے ۲۷ مئی ۱۹۶۰ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تک بحیثیت صدر کام کیا پھر سیمال گرسیل (Cemal Gursel.) نے ہیڈ آف اسٹیٹ کی حیثیت میں دوبارہ عنان اقتدار پر قبضہ کیا اور ملک کی باگ ڈور کے مالک بنے رہے (۲۷ مئی ۱۹۶۰ء تا ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۱ء اور ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء تا ۲۸ مارچ ۱۹۶۶ء) اس کے بعد جودت سونے (Cerdet sunay.) اور فہری کورو ترک (Fahri Karuturk.) بالترتیب ۲۹ مارچ ۱۹۶۶ء سے ۲۸ مارچ ۱۹۷۳ء تک اور ۶ اپریل ۱۹۷۳ء سے ۶ اپریل ۱۹۸۰ء تک ملک کے سیاہ وسفید کے مالک رہے اس کے بعد ۱۸ ستمبر ۱۹۸۰ء کو ملک کی حکومت پر کنعان اورن (Kenan Evren.) نے قبضہ کر لیا اور ۸ نومبر ۱۹۸۹ء تک وہی ترکی عوام کی قسمت سے کھیلتے رہے۔ ۹ نومبر ۱۹۸۹ء کو ترگت اوزال (Turgut Ozal.) صدر ہوئے اور ۱۷ اپریل ۱۹۹۳ء کو ان کی اچانک پر اسرار موت ہوگئی تو سلیمان دیمریل نے عنان صدارت سنبھالی[۳۱] اس پورے عرصہ میں ترکی سیاست مدوجزر کی شکار رہی اور ہر حکمراں اپنے مفادات کے لیے داخلہ وخارجہ پالیسی مرتب کرتا رہا۔

مصطفیٰ کمال اتاترک کے بعد حکمراں جماعت R.P.P. (Republican People's Party) کی ساتویں کانگریس منعقدہ ۱۹۴۷ء میں کثیر الجماعتی نظام پر گفتگو ہوئی۔[۳۲] اس سے پہلے ۱۹۳۷ء کے ترمیم شدہ دستور میں حکمراں جماعت کے چھ بنیادی اصول شامل ہو چکے تھے اور وہ تھے :-

۱۔ Republicanism (جمہوریت پسندی)
۲۔ Nationalism, (قومیت)
۳۔ Populism, (عوامی ہونا)
۴۔ etalism, (ریاستی اشتراکیت)
۵۔ Secularism, (لامذہبیت)
۶۔ Reformism. (اصلاح پسندی)

دستور میں ریاست کی بنیادی صفات کی حیثیت سے بھی ان شش نکاتی اصولوں کو درج کر لیا گیا۔[۳۳] ۱۹۴۶ء میں کثیر الجماعتی نظام سیاست کی گنجائش نکالی گئی جس کا عملی نفاذ ۱۹۵۰ء میں ہوا جبکہ D.P. (Democratic Party) نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انتخاب میں فتح حاصل کر کے اپنی حکومت بنائی۔ اس نئی جماعت کو مذہبی طبقوں کی حمایت حاصل تھی دوسری طرف اس کے بعض رہنما بھی ترکی کی تجدد پسندی اور لادینیت کی پالیسی میں سخت گیری وانتہا پسندی کے خلاف تھے[۳۴]۔ یہ ترکی عوام کی مذہب کی طرف واپسی اور اسلام سے ان کی عقیدت وشیفتگی کا اظہار ہی تھا کہ انتخاب میں ڈیموکریٹ پارٹی کے امیدواروں کے حق میں ووٹ دئے جنھوں نے اپنے خطبات وبیانات میں RPP کی مذہب مخالف سرگرمیوں پر نکتہ چینی کی اور انھوں نے عوامی تقریروں میں اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ حکمراں جماعت مذہبی تعلیم وتربیت کے تمام آثار مٹا دینے پر کمربستہ ہے[۳۵]۔

چنانچہ ڈیموکریٹ پارٹی نے اس مسئلہ پر توجہ دی اور وزارت تعلیم نے ابتدائی اسکولوں کے نصاب میں مذہبی تعلیم وتربیت کے منتخب کورس متعارف کرائے نیز ائمہ مساجد اور مبلغین کی تدریب کے لیے بھی بعض کورسز کا اہتمام کیا۔ مذہب پر عمل درآمد اور عبادات کی بجا آوری سے متعلق بھی حکومت کے رویہ میں نرمی اور لچک آئی ۱۹۴۸ء میں پہلی بار زائرین بیت اللہ کو غیر ملکی زرمبادلہ کی اجازت دی گئی اور ۱۹۴۹ء میں بزرگوں اور اولیاء کے مزارات کی زیارت کا موقع فراہم کیا گیا[۳۶]۔

نئی سیاسی جماعت نے مذہب کی طرف کچھ میلان کا اظہار ضرور کیا مگر عوام کی امنگوں اور اسلامی جذبات کا ساتھ نہ دے سکی۔ اپنے مخصوص سیاسی مفادات کی وجہ سے صدر جمہوریہ سیلال بایر چند قدم سے زیادہ پیش رفت کرنے کو تیار نہ ہوئے چنانچہ علماء اور مذہب پسند طبقات کو مایوسی ہوئی۔ دیندار عوام کا حکومت پر دباؤ بڑھا تو ڈیموکریٹ پارٹی کی پارلیمنٹ نے سیکولرزم پر اپنے اعتقاد کا اظہار کیا اور ایک قانون منظور کر کے "مذہب کو سیاسی یا ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے پر" پابندی لگادی[۳۷]۔ تاہم مذہب سے عوامی وابستگی کے علانیہ مظاہرہ کا اتنا فرق ضرور رہا کہ اب انتخابی منشور میں مذہب پسندی کی جھلک نظر آنے لگی اور ریپبلکن پیپلز پارٹی کے خلاف مذہبی نعروں کا استعمال بڑھ گیا۔ ۱۹۵۷ء کے انتخابات میں ڈیموکریٹ پارٹی اور بدیع الزماں سعید نورسی کی جماعت نور کے درمیان عارضی سمجھوتہ طے پا گیا لیکن ۲۷ رمئی ۱۹۶۰ء کے فوجی انقلاب نے اس سیاسی اتحاد کا خاتمہ کر دیا۔ سیمال گرسیل کے اس فوجی انقلاب کا مقصد ملک میں اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کو کچلنا اور سیکولرزم کی کمائی راہ پر اسے گامزن رکھنا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈیموکریٹ پارٹی کی جانشین جسٹس پارٹی نے اسلام کے تئیں نسبتاً لچکدار پالیسی اختیار کی اور جنگ عظیم دوم کے بعد ترکی کی سیاست میں مذہب کے معاملہ میں جو نرمی اور لچک پیدا ہوگئی تھی اسے قائم و دائم رکھا مگر جسٹس پارٹی نے بھی ۱۹۶۱ء کے ترمیم شدہ دستور کی پوری پابندی کی جس نے ترکی کے سیکولر کردار اور لا مذہب اصولوں کو بحال رکھا تھا۔ نئی حکومت نے بھی اسلامی سرگرمیوں کی اجازت ایک حد تک ہی دی[۳۸] بس انہی مذہبی اعمال و تقریبات کو گوارا کیا گیا جن سے ملک کے سیکولر کردار پر حرف نہ آتا ہو۔ اس دوران ایک اہم تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ ۱۹۶۶ء میں شیعہ اقلیتی گروہ نے اپنی سیاسی جماعت Party of Union کے نام سے تشکیل کرلی اور انتخابات میں اسے کامیابی بھی حاصل ہوگئی، مگر اس کا فائدہ بائیں بازو کی جماعت نے اٹھالیا اور اس نے متعدد شیعہ مسائل کو اٹھا کر سیاسی منفعت حاصل کرلی۔ انہی حالات میں پروفیسر نجم الدین اربکان نے ۱۹۷۰ء میں NOP نیشنل آرڈر پارٹی کی بنیاد رکھی جس کا ترکی نام ملی نظام پارٹی رکھا گیا۔

۱۹۷۰ء میں جب اس سیاسی جماعت کا قیام عمل میں آیا تو اس کا مقصد یہ قرار دیا گیا کہ "ترکی قوم کے اندر اخلاقی صفات اور روحانی خصوصیات پیدا کرنے کی سعی کرے گی تاکہ ترکی معاشرہ امن، انصاف اور سماجی عدل سے دوبارہ ہمکنار ہوسکے"[۳۹]

ملک کے داخلی مسائل کو ملی نظام پارٹی (NOP) نے دو خانوں میں منقسم کر رکھا تھا: مادی اور روحانی مسائل۔ مادی میدانوں میں پارٹی کی تنقید دو چیزوں پر شدید تھی۔

۱۔ غیر ملکی سرمایہ اور غیر ملکی بازار پر ترکی معیشت کا انحصار۔

۲۔ قومی آمدنی میں زبردست گراوٹ اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم

معنویت و روحانیت کے میدان میں بھی پارٹی کے نزدیک حکومت کی کارکردگی ابتر تھی:

۱۔ یہ دنیا کی واحد قوم تھی جس کا تعلیمی نظام قومی مقاصد کے حصول کے لیے شہری اور جوان پیدا کرنے میں ناکام تھا اور

۲۔ اس کی تعلیمی پالیسی خود اپنی تہذیب و تاریخ کی تردید و تغلیط کے گرد گھومتی تھی[۴۰]

ترکی کا لامذہبی اور مغربی نظامِ سیاست پروفیسر نجم الدین اربکان کی اسلامی فکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو کیسے گوارا کرسکتا تھا۔ NOP کی ان تنقیدوں اور بیانات اور اسلامی داخلہ وخارجہ پالیسیوں کے خلاف دستوری عدالت (The Constitutional Court.) میں سرکاری وکیل (Public Prosecutor of Repoblic) نے استغاثہ دائر کردیا اور عدالت نے اس بنیاد پر پارٹی کو تحلیل کردیا کہ یہ ملک میں دستور کی لادینی قدروں کی توہین وتذلیل کررہی ہے اور سیاسی جماعتوں کی تشکیل وترویج سے متعلق قانون کی صریح خلاف ورزی کا ارتکاب کررہی ہے۔ چنانچہ ملی نظام پارٹی کی تشکیل کے ۱۷ ماہ بعد ہی مئی ۱۹۷۱ء میں اسے خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔

ملی نظام پارٹی کے بارے میں زیادہ تفصیلات دستیاب نہیں ہیں تاہم مختلف حوالوں سے اتنی بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ مختصر مدت ہی میں پارٹی نے چھوٹے درجہ کے تاجروں، صنعت کاروں اور مذہبی طبقہ میں مقبولیت حاصل کرلی تھی اور اس کا دائرہ کار زیادہ تر اناطولیہ کے علاقے تھے۔ چنانچہ بعض تجزیہ نگاروں کی یہ بات کسی قدر درست معلوم ہوتی ہے کہ ملی نظام پارٹی پر بندش کی وجہ اس کی اسلامی سرگرمیوں اور عوامی مقبولیت کے علاوہ سیاست کے میدان میں اس کے بڑھتے ہوئے اثرات تھے جس کی وجہ سے برسر اقتدار جماعت جسٹس پارٹی بھی اسے اپنے لیے خطرہ تصور کرنے لگی تھی۔[۱۹]

حواشی وتعلیقات

۱۔ قرآن پاک میں توحید کی مثال شجرہ طیبہ سے اور کفر وشرک کی مثال شجرۂ خبیثہ سے ہے وہ کہتا ہے کہ "کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی مثال کس چیز سے دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شجرہ طیبہ جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہونچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں اور کلمۂ خبیثہ کی مثال ایک شجرۂ خبیثہ کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اکھاڑ پھینکا جاتا ہے۔ اس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے۔" (سورہ ابراہیم: ۲۴۔۲۶) علامہ شبیر احمد عثمانی نے کلمۂ طیبہ سے مراد کلمۂ توحید، معرفت الٰہی کی باتیں اور ایمانیات لیا ہے اور کلمۂ خبیثہ سے کلمۂ کفر، جھوٹ بات اور ہر وہ کلام مراد لیا ہے جو خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔ قرآن کی ان دونوں مثالوں کا حاصل علامہ عثمانی نے یہ قرار دیا ہے کہ مسلمانوں کا دعوائے توحید وایمان پکا اور سچا ہے جس کے دلائل نہایت صاف وصحیح اور مضبوط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، موافق فطرت ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں قلوب کی پہنائیوں میں اتر جاتی ہیں اور اعمال صالحہ کی شاخیں آسمانِ قبول سے جالگتی ہیں۔ اس کے لطیف و شیریں ثمرات سے موحّدین کے کام و دہن ہمیشہ لذت اندوز ہوتے ہیں اس کے برخلاف جھوٹی بات اور کفر و شرک کے دعوائے باطل کی جڑ بنیاد کچھ نہیں ہوتی۔ ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر جا پڑتا ہے۔ دیکھئے ترجمہ قرآن از شیخ الہند مولانا محمود حسن مع تفسیر عثمانی، متعلقہ آیات اور ان کی تفسیر۔

۲۔ محمد نامق کمال ترکی کا عظیم ترین شاعر، انشاء پرداز، جدید نثر کا بانی اور ممتاز ترین محب وطن ترک تھا۔ شناسی آفندی سے متاثر ہو کر مغربی افکار و ثقافت کی طرف متوجہ ہوا۔ اخبار تصویر افکار، اخبار مخبر اور پھر حرّیت کے ذریعہ اس نے پرانے متحجّر ترکی میں جدید ادبی، سائنسی، سیاسی اور علمی نہضت برپا کرنے کی جدوجہد کی۔ ۱۸۶۶ء میں وطن کی زمین تنگ پا کر لندن فرار ہو گیا۔ واپسی کے بعد مجلہ عبرت کی عنان ادارت سنبھال کر رائے عامہ پر اثر انداز ہونے لگا۔ اپنی حریت پسندانہ کارروائیوں کی بدولت متعدد بار جیل گیا اور نظر بندی کے ماہ و سال بسر کیے۔ اپنی نظموں اور ڈراموں کے ذریعہ اس نے باغیانہ جذبات پیدا کیے حسب ذیل ڈرامے منظر عام پر آئے، وطن یا خود سلسترہ (چار ایکٹ کا ڈرامہ) زوالی چوجق (بے چارہ لڑکا) تین ایکٹ کا ڈرامہ، عاکف بے (پانچ ایکٹ کا ڈرامہ) گل نہال پانچ ایکٹ کا ڈرامہ، جلال الدین خوارزم شاہ چار ایکٹ کا ڈرامہ، قرہ بلا (کالی بلا) اس کی دو ناولوں انتباہ یا خود علی بیگ سرگزشتی اور جزمی نے ایک پورے دبستانِ فکر کی بنیاد رکھی۔ اس کی قابل ذکر تاریخی تصنیفات یہ ہیں: اوراق پریشان (سوانح عمری)، دورِ استیلا، قنیزہ، رنانِ مدافعہ نامہ، مدخل، رؤیا اور سرگزشت۔ اس نے متعدد کتابوں کے تراجم بھی کیے جن میں ہندی مصنف شیخ عنایت اللہ، فرانسیسی مصنفین مانٹسکو، روسو، وکٹر ہیوگو اور والنی وغیرہ کی تحریریں قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح تنقید کے میدان میں بھی اس کی خدمات ناقابل فراموش ہیں اس کی کتابیں تخریب خرابات اور تعقیب خرابات اس کا بیّن ثبوت ہیں۔

۳۔ مثال کے طور پر شیخ بدیع الزماں سعید نورسی (۱۸۷۰۔ ۱۹۶۰ء) اور ان کی جماعت نور کے افراد اپنی مخلصانہ جدوجہد کے باوجود کمالی استبداد و سیکولر نظریات پر بند باندھنے میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ شیخ اپنی عمر کے آخری مرحلہ میں سیاسی جدوجہد سے کنارہ کش ہو گئے اور اعوذ باللہ من الشیطان والسیاسیہ (میں پناہ مانگتا ہوں شیطان اور سیاست سے) کو اپنا شعار بنا لیا اور ان کے رفقاء نے تحریک اسلامی ترکی اور اس کے قائد پروفیسر نجم الدین اربکان کا ساتھ دینے کے بجائے سلیمان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیمریل اوران کی جسٹس پارٹی کے ملی رانہ افکار و نظریات سے چشم پوشی کرتے ہوئے الیکشن میں ان کی ہمنوائی کی ۔ شیخ نورسی کی جدوجہد کے تحلیل و تجزیہ کے لیے دیکھئے، مصطفٰی محمد الطحان، القیادۃ فی العمل الاسلامی، ۱۱۳F ۵۰ کویت، ۱۴۰۵ھ آخری باب ۔ اس کا اردو ترجمہ محمد سمیع اختر کے قلم سے "انقلابی شخصیات" کے نام سے ہلال پبلیکیشنز سنگاپور سے شائع ہو چکا ہے ۔

۴ے دیکھئے قرآن پاک، سورہ حدید : ۲۵

۵ے Halil Inalick, The ottoman Empire. The classical Age 1300-1600 Translated by Norman Itzkowitz and Colin Imber, London 1973 P. 99.

۶ے تنظیمات یا صحیح تر الفاظ میں تنظیمات خیریہ ترکی محاورہ قانون تنظیم اتمک سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی ہیں قانون کا مسودہ بنانا ۔

۷ے سلطان عبدالمجید اوّل محمود ثانی کا بیٹا تھا ۔ ۱۸۳۹ء میں وہ اپنے باپ کی مسند پر بیٹھا ۔ سلطان نے اپنے باپ کی نافذ کردہ اصلاحات کو جاری رکھا ۔ اس کے دور کے اہم ترین اعلانات میں سے ایک تو خط شریف کے اعلان شاہی کا اجرا (۳ رنومبر ۱۸۳۹ء) ہے دوسرا کریمیا کی جنگ ہے جو ۱۸۵۳ء میں شروع ہوئی اور ثالثی کے ذریعہ معاہدہ پیرس پر ختم ہوئی (۳۰ رمارچ ۱۸۵۶ء) ان کے علاوہ اس کے عہد میں مسلسل فسادات، بغاوتیں اور قتل عام بھی رونما ہوتے رہے ۔ وضع قوانین کے علاوہ بہت سی اصلاحات کا وہ بانی بھی ہے ۔ اسی کے دور سے شہزادے آفندی کے سادہ لقب سے ملقب ہونے لگے ۔ وہ پہلا سلطان تھا جو کوئی یوروپی زبان بول سکتا تھا ۔ وہ ایک زیرک مہذب چھریرے بدن کا آدمی تھا مگر اس کی صحت جرم کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے خراب رہتی تھی ۔ اس نے ۱۸۴۹ء میں Kossuth, اور دیگر مجارستانی (Hungarian) پناہ گزینوں کو آسٹریا کے حوالہ کرنے سے انکار کر کے عالمگیر نیک نامی حاصل کی ۔ ترکی کی تاریخ میں اس سے زیادہ رحم دل شریف اور لطیف و دلکش خدوخال کا مالک حکمراں نہ ہوا ۔ اس کے دور میں استنبول میں جس خارجی سفیر نے سب سے زیادہ اہم کام کیے وہ لارڈ اسٹراٹ فورڈ کیننگ تھا ۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲، ص ص ۹۵۵ ۔ ۹۵۶ ۔

۸ے سلطان محمود ثانی، سلطنت عثمانیہ کا انتیسواں بادشاہ، جس نے ۱۸۰۸ء سے ۱۸۳۹ء تک حکومت کی، عبدالحمید اوّل کا بیٹا تھا ۔ تخت نشین ہوتے ہی سلطنت کے داخلی استحکام پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متوجہ ہوا جو ۱۸۲۰ء میں یونانیوں کی بغاوت تک جاری رہی۔ اس نے مختلف خانوادوں کی خود مختارانہ حیثیتوں کا خاتمہ کیا۔ ۱۸۱۰ء میں بغداد میں سلیمان پاشا کی وفات کے بعد جنوبی عراق میں سلطان کا اقتدار مستحکم ہوا۔ مکہ مدینہ، سربیا اور بوسنیا میں اس نے سخت جدوجہد کے بعد اپنا قبضہ بحال کیا۔ قسطنطنیہ میں امن و امان کے قیام کے لیے اس نے نی چری کے خطرناک عنصر کے خلاف سخت اقدامات کیے۔ رومانیہ میں فوجی کارروائی کر کے اس نے وہاں پرورش پانے والی بغاوت کو کچل دیا۔ جس کے خلاف روس میں شدید احتجاجات ہوئے لیکن دوبارہ شورش نے سر ابھارا اور مجبور ہو کر ۱۸۲۳ء میں ترکوں نے ایتھنز کا مستحکم قلعہ باغیوں کے حوالہ کر دیا۔ تاہم ۱۸۲۲ء میں چھ مہینے کے محاصرے کے بعد موریا کا علاقہ مطیع و منقاد ہو گیا۔ سلطان نے نی چیری فوج میں سے یوروپی طرز پر ایک مضبوط و مستحکم نئی فوج تیار کرنے کی اسکیم بنائی جو کامیاب نہ ہو سکی کیونکہ آپس میں بغاوت اور سخت کشت و خون کے بعد ۱۶ رجون ۱۸۲۶ء کو مکمل طور پر نئی فوج تباہ کر دی گئی۔ سلطنت کی طاقت کمزور ہو جانے سے روس، انگلینڈ، فرانس کو متحدہ سازش کی سوجھی اور دھیرے دھیرے وہ اپنی منصوبہ بندی میں کامیاب ہوتے چلے گئے اور مختلف معاہدات کے ذریعہ سیاسی و عسکری طور پر ترک کو مفلوج کر دیا۔ سلطان کے آخری نو سال محمد علی والی مصر سے لڑائی میں گزرے۔ ۱۸۳۰ء میں خط شریف کے اعلان کے ذریعہ یوروپی اقوام میں اس نے امن و امان قائم کیا اور ۱۸۳۷ء تک اندرون ملک کی حالت کو اس نے کافی سدھار لیا تھا اس لیے اس نے اپنے یوروپی صوبہ جات کا سفر کیا اور قسطنطنیہ کے شانلیجہ نامی محل میں ۱۸۳۹ء میں اس نے انتقال کیا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ تنظیمات کا نفاذ اور اصلاحات کی ترویج ہے۔ فوج میں اس کے اصلاحی اقدامات نے کامیابی کی راہ آسان کی خسرو پاشا امیر عسکر اور اس سے پہلے مصطفی رشید پاشا اور جرمن ماہرین حرب نے اس کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ اس نے نوجوان افسروں کو مغربی کالجوں میں بھیج کر ترتیب جدید کے کام کو موثر طریقے سے ترقی دی۔

۵۹ غازی عبدالحمید ثانی چھتیسواں عثمانی سلطان صغر سنی میں بہت کم آمیز اور زود رنج تھا۔ وہ شروع ہی سے دیندار لوگوں کی صحبت میں رہنے کا شائق تھا نیز صوفیوں اور درویشوں کی طرف بہت مائل تھا۔ یکم ستمبر ۱۸۷۶ء کو یہ اپنے بھائی سلطان مراد خامس کا جانشین ہوا۔ اس نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی مدحت پاشا کی رائے سے استنبول میں ایک بین الاقوامی مجلس طلب کی اور ۲۳ دسمبر کو مجلس کے افتتاح ہی کے دن "خط ہمایوں" (قانون شاہی) جاری کیا۔ اس کے تحت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو ایوانی پارلیمانی نظام قائم کیا گیا جس کا اجلاس احمد وفیق پاشا کی صدارت میں ۱۹ر مارچ ۱۸۷۷ء کو طلب کیا گیا۔ اس کے دور میں ترکی کو دو جنگیں لڑنا پڑیں ایک روس کے خلاف (۱۸۷۷ء — ۱۸۷۸ء) اور دوسری یونان کے خلاف (۱۸ر اپریل ۱۸۹۷ء سے ۵ر جون ۱۸۹۷ء تک) اور آخر میں مقدونیا کی وہ لاینحل پیچیدگی پیدا ہو گئی جس میں مختلف النسل اقوام بُری طرح الجھ گئیں۔ ۱۳ر اپریل ۱۹۰۹ء کو چند قومی دستوں نے مذہب کے نام پر مشتعل ہو کر بغاوت کر دی جو بڑی مشکلوں سے سرد ہوئی۔ ۲۸ر اپریل ۱۹۰۹ء کو "نوجوان ترک" کی شورش پر ملّی مجلس کے دونوں ایوانوں نے عبدالحمید کو ایک فرضی فتویٰ کی بنیاد پر معزول کر دیا۔ یہ فتویٰ اسی روز جبراً حاصل کیا گیا تھا کہ سلطان نے مذہبی قانون کی کتابوں کو ممنوع قرار دیا اور جلایا ہے۔ سلطان کو پہلے سلونیکا میں جلاوطن کیا گیا پھر ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان چھڑی تو باسفورس کے کنارے بیلربی کے محل میں منتقل کر دیا گیا جہاں نمونیہ میں مبتلا ہو کر ۱۰ر فروری ۱۹۱۸ء کو پچھتر برس کی عمر میں وہ اللہ کو پیارا ہوا۔

۱۰ تنظیمات نے ان اصلاحات کو جاری رکھا جنھیں سلطان سلیم ثالث اور محمود ثانی نے اس مقصد سے شروع کیا تھا کہ سلطنت عثمانیہ کو اندرونی اور بیرونی کمزوریوں سے بچایا جا سکے۔ محمود ثانی اندرون ملک میں نظام جاگیرداری کو منسوخ کرنے اور ینگی چری فوج کے رجعی عنصر کی بیخ کنی کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس طرح داخلی معاملات میں اس نے اپنی طاقت کو مرتکز اور مستحکم کر لیا مگر تعمیر و اصلاح کا کام تدریجاً ترک سرکاری عہدے داروں ہی کے ایک فریق کے ذمہ ہوتا گیا۔ ۱۸۳۹ء سے لے کر کریمیا کی جنگ کے خاتمہ تک اصلاحات کی روحِ رواں مصطفیٰ رشید پاشا (م ۱۸۵۸ء) تھا جو چھ مرتبہ وزیراعظم بنا۔ اصلاحات کے دوسرے دور میں جس کا آغاز "فرمان خط ہمایوں" کے ذریعہ فروری ۱۸۵۶ء میں ہوا مصلحین کی سرگرمیوں کی رہنمائی علی پاشا (م ۱۸۷۱ء) اور فواد پاشا (م ۱۸۶۹ء) نے کی۔ تیسرے دور (آغاز ۱۸۷۱ء سے) کی عظیم شخصیت مدحت پاشا (م ۱۸۸۳ء) کی تھی۔

۱۱ تفصیل کے لیے دیکھیے جے ایچ کرامرز کا ترجمہ شدہ مقالہ 'تنظیمات'، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، جلد ۶، ۱۹۶۲ء۔

۱۲ نفس مصدر، تنظیمات کے دور میں ترکی کے اسلامی ملّی عناصر کا بھی سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی دور میں شناسی، نامق کمال اور احمد وفیق کی مسلم قومی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ اسی زمانہ میں احمد جودت پاشا بھی تھے جو مشہور مورخ، ادیب اور مقنن بھی تھے۔ ضیا گوک الپ کی سیکولر قوم پرستانہ تحریک بھی اسی سے متاثر تھی اور اس نے ترکی کے ذہنی ارتقا میں اس دور کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳؎ چنانچہ اقریطش (Crete) بوسنیا (Bosnia) ہرسک (Herzegovina) لبنان اور بلغاریہ میں بغاوتیں ہوئیں تفصیل کے لیے دیکھئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، محولہ بالا۔

۱۴؎ Serif Mardin, Religion and Politics in Modern Turkey, in Piscatori J.P. Islam in the Political Process. Cambridge University Press 1983 P 141

۱۵؎ احمد جودت پاشا شمالی بلغاریہ میں بمقام لوفچہ پیدا ہوا۔ تیرہ برس ہی کی عمر میں ۱۸۳۹ء میں استنبول کے ایک مدرسہ میں اسے داخل کر دیا گیا جہاں عام نصاب کے علاوہ جدید علم ریاضی کا بھی اس نے مطالعہ کیا۔ ۱۸۴۴ء میں سند اجازت حاصل کرنے کے بعد قاضی کے عہدہ پر اس کا تقرر ہوا۔ ۱۸۴۶ء میں وزیر اعظم مصطفیٰ رشید پاشا کا معاون علمی مقرر ہوا۔ ۱۸۵۰ء میں دارالمعلّمین کا ناظم اور مجلس معارف کا رکن اور دبیر اعلیٰ بنایا گیا۔ بعد میں مختلف صوبوں کا گورنر، کئی بار وزیر عدلیہ اور وزیر تعلیم مقرر ہوا۔ مختلف بغاوتوں کو کچلنے میں کامیابی حاصل کی۔ ۱۸۹۰ء میں تمام سیاسی سرگرمیوں سے مستعفی ہو گیا اور زندگی کے آخری تیرہ برس تنہائی میں گزارے۔ اس کی بے شمار تصانیف میں سے تاریخی کتابوں کو اہم ترین درجہ حاصل ہے۔ اس کی قصص انبیاء و تواریخ الخلفاء بارہ ضخیم جلدوں میں درسی کتاب ہے، تاریخ جودت بھی بارہ جلدوں میں ہے۔ تذاکرہ جودت یادداشتوں کا مجموعہ ہے۔ خالص ادبی و بلاغتی تصانیف میں قواعد عثمانیہ، قواعد ترکیہ، تقویم ادوار اور دیوانچہ وغیرہ میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ یہ کتابیں ترکی قواعد و گرامر سے متعلق ہیں جبکہ آخر الذکر اس کی نظموں کا مجموعہ ہے۔

۱۶؎ لفظ مجلّہ سے مراد ترکی کا ضابطۂ دیوانی ہے۔ یہ مجلّہ احکام عدلیہ کا مخفف ہے اس ضابطۂ دیوانی کی تکمیل و تدوین ۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۶ء کے درمیان ہوئی اور تنظیمات کے منصوبہ قانون سازی کا ایک جزو تھی اس سے پہلے تشکیل شدہ ضابطۂ فوجداری (۱۸۵۸ء) اور ضابطۂ تجارت (۱۸۶۱ء) یوروپی ممالک کے طرز پر مرتب ہوئے تھے یہ مجلّہ حنفی مذہب کے مطابق فقہ کے اس حصّے کا ضابطہ تھا جو معاملات سے متعلق ہے۔ سات آدمیوں پر مشتمل مجلس نے احمد جودت پاشا کی صدارت میں اسے تشکیل دیا تھا مجلّہ کے مقدمہ میں ایک سو دفعات اصول و قواعد سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد ۱۶ ابواب ہیں۔ پہلے باب کا نام کتاب البیوع ہے۔ آخری چار ابواب تعمیل اجرائے حکم اور طریقہ کارروائی کے متعلق ہیں سارے ضابطہ میں ۱۸۰۱ دفعات ہیں، ہر باب کے پہلے حصّہ میں قانونی اصطلاحات کی تعریف کی گئی ہے مجلّہ کا متن سب سے بڑے مجموعے دستور میں شامل ہے۔ یہ کتاب مع شرح کئی بار مجلّہ احکام عدلیہ شرعی کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ چونکہ مجلس ملّی کبیر نے ۱۷ فروری ۱۹۲۶ء کو ضابطہ سوئزرلینڈ کے مطابق ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیا ضابطۂ قانون منظور کرلیا اس لیے مجلّہ کی قانونی حیثیت ختم ہوگئی۔

۱۷ء اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد۲، ص ۱۱۰ - ۱۱۵

۱۸ء مذاکرات السلطان عبدالحمید، ترجمہ وتقویم وتحقیق وتعلیق، محمد حرب عبدالحمید، دارالانصار، قاہرہ ۱۹۷۸ء ص ۱۰ بحوالہ سلطان عبدالحمید، سیاسی خاطرات، ص ۱۶۔

۱۹ء ڈاکٹر محمد عزیز، دولت عثمانیہ، جلد دوم، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۰ء ص ۳۹۸ - ۳۹۹۔

۲۰ء محمد حرب عبدالحمید، حوالہ بالا، ص ۱۰۱

۲۱ء سید ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۹۸۱ء ص ۸۵ - ۸۶۔

۲۲ء Orga Irgan Margarete, Ataturk, Michael Jeseph Ltd. London, 1962, P 251.

۲۳ء Ibid, P 246.

۲۴ء Ibid, P 237-238.

۲۵ء Ibid, P 246,

۲۶ء Ibid, P 239,

۲۷ء Ibid, P. 273,

۲۸ء Armstrong, H.C. Grey Wolf. P. 290.

ماخوذ از، سید ابوالحسن علی ندوی، حوالہ بالا، ص ۸۲ - آرم اسٹرانگ کی مذکورہ کتاب، گرے وولف، میں مصطفیٰ کمال کی جو شخصیت اور اس کا جو کردار پیش کیا گیا ہے اس پر ترکی میں احتجاج ہوا اور آخر کار وہ کتاب ترکی میں خلاف قانون قرار پائی اور اس کی طباعت واشاعت پر بندش لگادی گئی۔ جنوری ۱۹۹۴ء میں صدر مملکت اسرائیل وائزمین نے ترکی کا چار روزہ دورہ کیا تو اس نے حکومت ترکی سے کہا کہ وہ مذکورہ کتاب کے توسط سے کمال اتاترک کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے اور یہ کہ اتاترک ایک اچھا جرنیل اور اچھا شہری تھا۔ اس نے اتاترک کا تقابل اسرائیل کے پہلے صدر بن گوریان (Ben Gurian) سے کیا۔ مملکت اسرائیل میں کسی مشیر یا سیاسی رہنما نے وائزمین کو یہ بتانے کی ضرورت نہ سمجھی کہ اس کتاب کے خلاف ترکی حکومت کے جذبات کیا ہیں، نہ ترکی سیاسی لیڈروں کو اس کی توفیق ہوسکی بلکہ وہ بھی گونگے بنے رہے۔ وائزمین نے یہ صراحت بھی کی کہ اس نے یہ کتاب فلسطین میں پڑھی تھی۔ امپیکٹ انٹرنیشنل، لندن، مارچ ۱۹۹۴ء، ص ۱۲

۲۹ء عرفان اورگا، حوالہ بالا، ص ۲۷۲۔ کمال اتاترک نے ۱۹۲۴ء میں تنسیخ خلافت کا اعلان کیا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی سال شیخ الاسلام اور وزارت مذہبی امور کی منسوخی بھی عمل میں آگئی۔ اسی سال ماہ اپریل میں شرعی عدالتیں ختم کردی گئیں ۱۹۲۸ء میں ترکی دستور کی وہ دفعہ بھی منظور ہوگئی جس کی رو سے اسلام کے سرکاری مذہب ہونے کی ممانعت ہوگئی اور مذہب اور مادّی امور کی تفریق لازم قرار پائی بالآخر ۱۹۳۷ء میں دین وسیاست کی دوئی کا یہ نظریہ ترمیم شدہ ترکی دستور کی دفعہ بن گیا۔ دیکھئے سیرف ماردین، حوالہ بالا، ص ۱۴۳

۳۰ـ Bruinesson, M.M. Van, Agha, Shaikh and State on the Social and Political Organization of Kurdistan, Rijswik Europrint, 1978, P 403. See for details, Berkes, Niyazi, The Development of Secularism in Turkey, Mc Gill University Press, Montreal, 1964,

۳۱ـ یہ معلومات مندرجہ ذیل کتب سے ماخوذ ہیں۔

Fehim, Teoman, Turkey 1988, General Directorate of Press and Information of the Prime Ministry of the republic of Turkey, 1988 pp 64-66 Turkey 1993. The Directorate General of Press and Information. Ankara, February 1993, pp. 28-30

۳۲ـ Serif Mardin op, cit., p 143

۳۳ـ Turkey 1993 op cit., p 24,

۳۴ـ Serif Mordin op, cit., p 143

۳۵ـ Ibid p. 144 ۳۶ـ Ibid, ۳۷ـ Ibid

۳۸ـ ۱۹۶۱ء میں دستور میں جو ترمیمات ہوئیں ان میں نظریہ تفریق اختیارات (Separation of Powers) کا کافی دخل تھا۔ اس دستور نے انتظامیہ، عدلیہ اور قانون سازیہ کے اختیارات اور حدود بڑی حد تک متعین اور منقسم کردیئے اور دستوری عدالت (Constitutional Court) کا تصور بھی ترکی کی تاریخ میں پہلی بار اسی دستور نے دیا جس کا مقصد قوانین کی دستور سے ہم آہنگی کی نگہداشت کرنا تھا۔

۳۹ـ Binnz Sayari (toprak), Turkiyede Dinin Denetive Islevi, Ankara Universitesi Siyasal Bilgiler Fkultesi Dergisi vol 33, Nos 1-2 (1979) p 174 quoted in Serif Mardin, Op cit. p 145

۴۰ـ Ibid p 145

۴۱ـ Turker Alkan, The National Salvation Party in turkey in Metin Heper & Raphael Israeli (eds.) Islam and Politics in the Modern Middle East, Croom Helm, London 1984 p. 82

© rasailojaraid.com